کے مطابق بنائیں ضرورت محسوس ہو تو ان کے لئے "تربیتی کورسز" کا اہتمام کیا جائے کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷٦) آخر ہر محکمہ کے اعلیٰ افسران گاہ بگاہ مختلف کورسز میں شریک ہوتے ہیں اساتذہ ایسی زحمت کرلیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ ایک اعلیٰ مقصد سامنے ہو۔ اگر کوئی اساتذہ مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر سکتا اور اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ نہیں کرسکتا تو اسے رضاکارانہ طور پر مستعفی ہوکر کوئی اور لائن اختیار کرلینی چاہیئے۔ اساتذہ درسگاہ اور درسگاہ سے باہر اتنی محتاط اور پاکیزہ زندگی گذاریں کہ معاشرہ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے، آخر کو جج حضرات کو دیکھیں کورٹ کے اندر اور باہر انکا کیا حال ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وقار اور متانت انہی کا حصہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک استاذ جج سے زیادہ مقدس ہے، ایک جج بھی استاذ ہی کی حسن تعلیم و تربیت سے اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے، اس لئے اس کا علم ٹھوس، اس کے اخلاق بلند، اس کا جذبہ جواں اور اس کے عقائد و نظریات اسلامی روایات کے عین مطابق ہونے ضروری ہیں۔

اس سلسلہ کا تیسرا عنصر طلبہ ہیں جنہیں حقیقی عنصر کہنا چاہیئے۔

اس عنصر کا معاملہ ایسا ہے کہ

ع یہ ننھی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مرجھانا ہیں

اپنی عمر، صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے یہ نفع و نقصان اور خیر و شر میں تمیز نہیں کرسکتے اس لئے ان پر توجہ کی شدید ضرورت ہے، توجہ میں صحیح نصاب تعلیم اچھے اساتذہ، بہتر خارجی ماحول اور تعزیرات سبھی کی ضرورت ہے۔

وہ معصوم ذہن ہیں آپ جو انہیں پڑھائیں گے وہی پڑھکر اس کا اثر لیں گے۔ اس لیے ان کے لئے صحیح نصاب بنیادی شرط ہے اور ان کے لیے سب سے بہتر درسگاہ مسجد ہے جس کا پاکیزہ، ستھرا اور صاف ماحول ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کا ضامن ہوگا۔ اسی لئے ہم نے پرائمری تعلیم کو مسجد میں قائم مکتب اسکیم سے وابستہ کرنے کی درخواست کی تاکہ بچہ پروان چڑھے تو اللہ تعالیٰ کے گھر میں۔

اساتذہ اس کے قلب پر اپنی عظمت کے نقوش ثبت کرنے ذمہ دار ہیں۔ اسلئے اساتذہ کے انتخاب میں اس بات کو مدنظر رکھنا لازم ہے کہ وہ طلبہ پر کس طرح اور

کتنے اثر انداز ہو سکتے ہیں ۔

خارجی ماحول کی بہتری انکے لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ ۲ ۰ ۴ ۰ ۶ گھنٹہ اگر پاکیزہ علمی فضا میں رہنے کے بعد باقی ۱۸/۲ گھنٹے وہ ایسے ماحول میں رہے ، جس میں جنسی ناول فحش لٹریچر، اذہان کو مسموم کرنے والے ریڈیو۔ ٹی وی پروگرام ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اس تخریب کا اثر زیادہ بڑھے گا ۔

ضرورت اس کی ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ فی الحقیقت درسگاہ بن جائے ، ہماری لائبریریاں ایسی ہوں جن میں علمی ، اخلاقی ذخیرہ ہو، ہمارے ذرائع ابلاغ اور اخبارات ایسے ہوں جو مجسم استاذ کا کام دیں ، ہمارا کاروباری حلقہ ایسا ہو کہ اگر کبھی طالب علم اس سے سودا لینے جاتے تو وہ دیانت و امانت کا سبق سیکھ کر آتے ، ہمارا بس ڈرائیور اور کنڈیکٹر ایسا ہو کہ اس کی بس میں سوار بچہ اس سے شرافت بھلائی مقصد سے لگن اور سچی خدمت کا سبق سیکھ کر رخصت ہو، سب سے زیادہ ذمہ داری والدین پر ہے کہ وہ محض اس پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ بچہ درسگاہ جاتا ہے اساتذہ سے پڑھتا ہے وہ خود اسکی نگرانی کریں ۔ تعزیر کا معاملہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت تادیب کے نقطۂ نظر سے اسکی گوشمالی سے گریز نہ کیا جائے دس سال کے بچے کی گوشمالی کر کے اسے مسجد میں لے آنے کا نبوی حکم آخر تعزیر ہی تو ہے ، بچہ نے گالی دی ماں باپ نے ہنس کر ٹال دیا ، اس نے گھر میں سے کوئی چیز چوری کر لی اس سے صرف نظر کر لیا یہی باتیں مستقبل میں اسکی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں ۔

ان کے عقائد و اخلاق کی اصلاح ، عبادت کا شوق ان میں پیدا کرنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے احساس سے واقف کرنے کا شدید اہتمام لازم ہے کوئی چھوٹی بڑی درسگاہ مسجد سے خالی نہ ہو، اور کچھ نہ کچھ وقت کسی بہانے سے طلبہ کا اس معطر ماحول میں گذرے ۔

ایک زیادتی اس نسل کے ساتھ مخلوط تعلیم کی ہے جس کا ازالہ جتنا جلد کر دیا جائے بہتر ہے ورنہ اس اختلاط کے نتیجہ میں جو تباہی آرہی ہے اسکے طوفان کو روکنا کسی کے بس میں نہ ہوگا ، اس کے ساتھ ہی غیر نصابی سرگرمیاں از قسم جماعت سازی بیرونی جماعتوں سے وابستگی ، ان کے مفاد کے لئے جدوجہد یہ سب باتیں زہر قاتل

(بقیہ صفحہ ۸۰ پر)

محمد تقی امینی (قسط ۱۴)

قرآنی علم و فہم کا درجۂ حکمت

قرآنی علم و فہم میں درجۂ حکمت تک رسائی کے لیے سماج کی طرح کائنات میں بھی فطری نقطۂ نگاہ سے غور و فکر کی ضرورت ہے جس کا تعین کائنات سے متعلق قرآنی آیتوں سے ہوتا ہے۔

انسان کو کائناتی قوتوں کا علم دیا گیا

اوپر گذر چکا ہے کہ انسان میں پوری صفات کے ساتھ کائناتی خصوصیات موجود ہیں اور انسان کو امکانی صلاحیتوں کی مناسبت سے کائنات کی امکانی قوتوں کا علم دیا گیا ہے جس کی نشاندہی خلافتِ آدم کے واقعہ میں ابتداءً کر دی گئی تھی اور ان قوتوں کو استعمال کرنے کی ہدایت و تاکید بھی تھی

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ [1]	اور تمہارے لیے زمین میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

"متاع" کا لفظ اپنے عمومی مفہوم میں وقت کے لحاظ سے کائناتی قوتوں سے مستفید ہونے کو جامع ہے۔

پھر حسبِ وعدہ ہدایتِ الٰہی آتی رہی اور انسان کو ان قوتوں کو کام میں لانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ کرتی رہی۔

وَكَذَالِكَ كُلّ نَبِيٍ اِسْتَخْلَفَهُمْ فِيْ عِمَارَةِ الْاَرْضِ وَسِيَاسَةِ النَّاسِ وَتَكْمِيْلِ نُفُوْسِهِمْ وَتَنْفِيْذِ اَمْرِهٖ فِيْهِمْ [2]	اسی طرح ہر نبی کو اللہ نے (زمین) کی آبادکاری، لوگوں کی سیاست ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اپنا حکم نافذ کرنے میں خلیفہ بنایا۔

---

[1] بقرہ آیت ۳۶ [2] البیضاوی، البقرہ آیت ۳۶

کائنات کی نقاب کشائی

بلاشبہ آسمانی مدد و رہنمائی (ہدایتِ الٰہی) کا وظیفہ اصلاً انسان ہے۔ لیکن وہ انسان، جو کائنات کا قائد اور اس کی قوتوں کا پاسبان ہے اس لحاظ سے جو ہدایت بھی آئے گی وہ کائنات کی نقاب کشائی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایتِ الٰہی ہر دور میں ایک طرف انسان کی نقاب کشائی کرتی رہی اور دوسری طرف کائنات کی بھی نقاب کشائی کرتی رہی۔ دونوں میں فرق یہ رہا کہ انسان کے خدوخال بھی نمایاں کرتی رہی جبکہ کائنات کی صرف نقاب کشائی پر اکتفا ہی کرتی رہی

انسان اور کائنات کے درمیان فرق کی وجہ

فرق کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انسان کے خدوخال میں ہزار مزاحمتیں اور رکاوٹیں تھیں۔ شیطان نے اُس کا چہرہ مسخ کر دینے کی قسم کھا رکھی تھی اور ہر ہر موڑ پر سنگِ گراں بن کر حائل تھا۔ اس بنا پر ہدایت الٰہی کو انسان کا اصلی خدوخال نمایاں کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ کائنات میں صورتِ حال ایسی نہ تھی اس کے خدوخال نمایاں کرنے کی خود انسان میں زبردست خواہش و طلب موجود تھی۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ موجزن تھا۔ اور ہر اُٹھا ہوا قدم آگے بڑھنے کا پیش خیمہ تھا۔

پھر انسان کی نوع بنوع ضرورتوں، اس کی بے پناہ صلاحیتوں اور کائنات کی بے پناہ امکانی قوتوں کی وجہ سے فطرت خود کانٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر کو نمایاں کرتی رہتی ہے۔ ایسی حالت میں ہدایت کو خدوخال میں خواہ مخواہ دخل دینے کی ضرورت نہ تھی کہ اس کے بغیر ہی ہدایت کا مقصد حاصل تھا۔

قرآن میں نقاب کشائی کا زیادہ اہتمام ہے

قرآن حکیم ہدایتِ الٰہی کا آخری اور مکمل ایڈیشن ہے۔ اس بناء پر اس میں کائنات کی نقاب کشائی کا زیادہ وسیع پیمانہ پر اہتمام ہے۔ چنانچہ نزولِ قرآن کے بعد ہی انسان نے کائنات کے مختلف گوشوں میں مختلف پہلوؤں سے غور و فکر کیا اور وقت کے دماغی رفتار کے لحاظ سے حکمت (مصالح و منافع کا نیز نظام) کے دفینے برآمد کیے جو بعد میں مختلف

علم و فن کی شکل اختیار کر کے ہمارے سامنے موجود ہیں جن کی کسی قدر تفصیل یہ ہے:

کائنات سے متعلق آیتیں

قرآن حکیم میں کائنات سے متعلق تقریباً سات سو پچاس آیتیں ہیں جن میں فکر و نظر کی اصلاح اور ذہنی جستجو کا رُخ متعین کرنے کے ساتھ مظاہر کائنات حقائق موجودات محاسنِ کائنات مناظرِ قدرت مظاہرِ فطرت اور تسخیرِ کائنات کا ذکر ہے۔ اسی طرح مختلف آیتوں میں زمین، پہاڑ، دریا، نہریں، سبزی، پھل، کھیت، سورج، چاند، ستارے، بارش، آگ، دھواں وغیرہ کا ذکر ہے اور ان سب میں یتفکرون، یذّکرون اور یعقلون کے ذریعہ غور و فکر کی دعوت ہے۔

اس غور و فکر کا عام فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کی ہستی و وحدانیت پر دلیل قائم ہوتی ہے۔ اللہ کی عظمت اور اس کی قدرت کی نشانی ظاہر ہوتی ہے اور دوسرا خاص فائدہ یہ ہے کہ غور و فکر سے اللہ کی وہ حکمت (مصالح و مقاصد) آشکارا ہوتی ہے، جو ابتدائے آفرینش سے کائنات میں ملحوظ ہے ———— اس حکمت کا ظہور ایک دم سے نہیں ہوتا بلکہ وقت کے دماغی رفتار کے لحاظ سے بتدریج مطلوب ہے۔ اسی طرح اس حکمت کا ظہور ہر شخص پر نہیں ہوتا بلکہ درجۂ حکمت پہ فائز شخص کو ہوتا ہے۔ جس کی صلاحیتوں میں اللہ نے وہ خانہ ودیعت کیا ہے جو کائناتی حکمت کے لیے درکار ہے۔ یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ ان آیتوں سے صرف عام فائدہ حاصل کیا جائے اور خاص فائدہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

کائناتی حکمت کا خزانہ بے حد و حساب اور ایک ناپید اکنار سمندر ہے بس وقت کے لحاظ سے اپنی اپنی بساط کے مطابق حکیم اس سمندر میں غوطہ زنی کرتا اور گوہر آبدار نکال کر لاتا ہے۔ جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی نشانیوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانیوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اس کے ساتھ اسی کے مانند

بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ؎۱ | اور سمندر ملا دیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؎۲	اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر سات مزید سمندروں کے ساتھ روشنائی بن جائیں جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہوسکتی ہیں۔ بیشک اللہ ہی غالب و حکیم ہے۔

کلمٰت سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی وہ نشانیاں ہیں جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

آیتوں سے حاصل شدہ استنباطی علم

کائناتی آیتوں میں غور و فکر کی دعوت و تاکید سے

قرآن حکیم نے وہ طریقۂ رسائی یا طریقۂ علم دیا کہ جس سے استدلال و استنباط کا دروازہ کھلا اور وہ علم وجود میں آیا جس کو استنباطی علم کہا جاتا ہے جس میں براہِ راست چیزوں کے مشاہدہ سے نہیں بلکہ ماورائے مشاہدہ سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح علم کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) وہ علم جو براہِ راست چیزوں کے مشاہدے سے حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) وہ علم جو ماورائے مشاہدہ اثرات (EFFECTS) دیکھ کر حاصل کیا جاتا ہے۔

اس دوسرے علم کی اہمیت پہلے کے مقابلہ میں کم نہیں ہے کہ اسی پر غور دارتقاء کا مدار ہے۔ جدید دور میں نہ معلوم کتنی حقیقتیں ہیں جو اس علم کے ذریعہ دریافت ہوئی ہیں۔ مثلاً کشش، مقناطیسیت۔ جوہری طاقت وغیرہ۔ جو براہِ راست اگرچہ مشاہدہ میں نہیں آتی ہیں لیکن انسان جن چیزوں کا مشاہدہ و تجزیہ کرتا ہے، ان کے ذریعہ رسائی حاصل کی جاتی ہے۔

اس طریقۂ علم نے بے شمار ان غیبی حقیقتوں تک پہنچایا جو اگرچہ مشاہدہ

؎۱ کہف آیت ۱۰۹ ؎۲ لقمان آیت ۲۷۔

میں نہیں آتی ہیں لیکن کائنات میں کارفرما ہیں۔ اسی طرح ان غیبی حقیقتوں تک ایمان کا دروازہ کھولا جو ماورائے کائنات ہیں اور انسان محض اس بنا پر انکار کرتا ہے کہ ان کو اس نے ابھی دیکھا نہیں ہے۔

استنباطی علم کی کرشمہ سازیاں

استنباطی علم کی کرشمہ سازیوں کا کچھ اندازہ اس وضاحت سے ہوتا ہے کہ جس زمین پر ہم آباد ہیں یہ ہمارے نظامِ شمسی کا صرف ایک ستارہ ہے، جو سورج کے مقابلہ میں مٹر کے ایک دانہ کے برابر کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ سورج تو سورج، ستارہ مشتری اتنا بڑا ہے کہ اس میں ہماری جیسی ایک ہزار سے زیادہ زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر آسمان پر جو چھوٹے چھوٹے تارے دکھائی دیتے ہیں ان میں اکثر سورج کے برابر اور بہت سے خود سورج سے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں دس ہزار سورج سما سکتے ہیں۔ تارے وہ کہلاتے ہیں جو خود بخود روشن ہیں یعنی جو اس وقت جلتی ہوئی گیس کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ باقی جو ٹھنڈے ہو چکے ہیں جیسے ہماری زمین اور مریخ وغیرہ وہ سیارے کہے جاتے ہیں۔ اس وقت تک کے معلوم و مشہور سیاروں کی تعداد نو ہے۔ ان میں سے بعض سیاروں کے ساتھ ان کے توابع یعنی چاند بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین کے ساتھ ایک چاند ہے، مریخ کے ساتھ دو اور زحل کے ساتھ نو۔ سورج بھی درحقیقت ایک تارہ ہی ہے جو مختلف عناصر لوہے، المونیم، جست، نکل وغیرہ کے جلتے ہوئے بخارات یا گیسوں کا بہت بڑا کرہ ہے اس سے آنے والی روشنی زمین تک آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ روشنی سے مراد فی ثانیہ (سیکنڈ) ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے۔

یہ صرف ایک عالم یا ہمارا عالم ہے اس کے علاوہ بکثرت ایسے عالم پائے جاتے ہیں جو ہمارے اس عالم سے بالکل باہر نہایت دُور دراز فاصلوں پر واقع ہیں۔ ان ہزاروں ہزار عالموں میں ہر ایک اتنا ہی عظیم الشان ہے جتنا کہ یہ ہمارا عالم ہے۔ جدید فلکیات نے ہماری نظر کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ یہی نہیں کہ اس عالم یا کائنات سے متعلق ہمارا علم و تصور مسلسل وسیع ہوتا جا رہا ہے بلکہ خود پوری کائنات بجائے خود بھی روز بروز وسیع تر ہوتی یا پھیلتی جا رہی ہے۔ جن بعید ترین اجرام سماوی کو ہم موجودہ [illegible] بڑی دُوربین سے دیکھ سکتے ہیں وہ بھی اتنے بعید فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہ ایک [illegible]

میل فی ثانیہ (سیکنڈ) کی رفتار سے حرکت کرنے والی روشنی کو ان اجرام سے ہم تک آنے میں ایک سو چالیس ملین (چودہ کروڑ) سال لگ جاتے ہیں۔ سب سے قریب چاند ہے وہ بھی دو لاکھ چالیس ہزار میل دُور ہے۔ سورج تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے۔ ہم سے قریب ترین ستارہ بھی اتنی دُور ہے کہ اس کی روشنی ہم تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ اجرام سماوی میں سب سے قریب ہمارے علم و مشاہدہ کے لیے نظام شمسی ہے اس کے بعد چند ہزار ملین روشنی کے سالوں تک علمائے فلکیات کا سائنسی مشاہدہ و مطالعہ کام دیتا ہے۔ پھر آگے روشنی اور ریڈیو کی لہریں اتنی کمزور ہو جاتی ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ اب آگے کیا ہے [1]

کرشمہ سازیاں حکمت پر مبنی ہیں

پھر یہ نظام شمسی اس قدر منظم و مربوط اور حکمت پر مبنی ہے، کہ اگر اس میں معمولی سی بھی تبدیلی ہوئی تو کائنات کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر یہ رفتار ایک ہزار کے بجائے ایک سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن و رات دس گنا زیادہ لمبے ہو جائیں پھر زمین کی سبزیاں اور فصلیں مسلسل دھوپ میں جُھلس جائیں اور جو بچ رہیں، وہ لمبی رات میں پالے کی وجہ سے ختم ہو جائیں۔

سورج اپنے محور پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ سے دہک رہا ہے۔ یہ حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائیں۔ لیکن وہ زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ بس ضرورت سے زیادہ گرمی نہ دے سکے۔ بالفرض اگر سورج دُگنے فاصلہ پر ہو جائے تو زمین پر سردی کی وجہ سے سب لوگ جم کر برف ہو جائیں اور اگر آدھے فاصلہ پر سورج آ جائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہو جائے کہ تمام پودے و جاندار جل بھُن کر خاک ہو جائیں۔

چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ پر ہونے کے بجائے صرف پچاس ہزار میل دُور

---

[1] مولانا عبدالباری ندوی۔ مذہب و سائنس ص ٦١ و ٦١، ٧١

ہوجائے تو سمندروں میں مد و جزر کی لہریں اتنی بلند ہوں کہ کرۂ زمین دن میں دو مرتبہ پانی میں ڈوب جائے اور موجوں کے ٹکرانے سے بڑے بڑے پہاڑ ختم ہوجائیں۔

سورج اپنی غیر معمولی کشش سے زمین کو کھینچ رہا ہے۔ اور زمین ایک مرکز گریز قوت (CENTRIFUGAL FORCE) کے ذریعہ اس کی طرف کھنچ جانے سے رکی ہوئی ہے۔ بالفرض کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہوجائے تو وہ تقریباً چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہوجائے گی اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے گی کہ جیسے کسی بہت بڑے الاؤ میں کوئی معمولی چیز گر جائے۔

کرۂ ارض ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف کو جھکا ہوا ہے (فضا میں سیدھا کھڑا نہیں ہے) یہ جھکاؤ موسم کے بیلے ہے اور اس کے نتیجہ میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل بنتا ہے۔ اور اس سے مختلف قسم کے نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہیں۔ اگر یہ جھکاؤ نہ ہو تو سمندر سے اٹھے ہوئے بخارات سیدھے شمال یا جنوب کی جانب چلے جائیں اور ہمارے برِ اعظم برف سے ڈھک جائیں۔

کرشمہ سازیاں کئی دائروں میں محدود نہیں ہیں

استنباطی علم کی کرشمہ سازیاں

کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں ہیں بلکہ کائنات کے ہر گوشہ اور ہر دائرہ میں موجود ہیں قرآن حکیم نے لفظ "آلاء" مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر میں التذکیر بآلاء اللہ کا مستقل باب باندھا ہے جس کے معنیٰ عام طور پر نعمتوں کے کیے جاتے ہیں لیکن علامہ عبدالحمید فراہی نے اس لفظ کی جو تحقیق کی ہے اور ثبوت میں کلام عرب کے شعراء کے جو تائیدی شواہد پیش کیے ہیں، ان سے یہ لفظ زیادہ وسیع اور جامع قرار پاتا ہے۔ اور اس کے اصل معنیٰ کرشموں کارناموں، عجائباتِ قدرت و آثارِ حکمت کے ہوتے ہیں نعمتوں کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں :

الآلاء اجمعوا علی ان معناہ النعم ولکن القرآن واشعار العرب یاباہ والظاھرات	لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ آلاء کے معنی نعمتوں کے ہیں۔ لیکن قرآن اور کلام عرب سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ ان سے

معناه الافعال العجيبة فارسية كرشمه لما كان غالب فعاله تعالى الرحمة ظنوا ان الالاء هي النعم ۱؎

جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے معنی عجیب کام کے ہیں جس کی فارسی کرشمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اکثر کام رحمت کے ہیں جس سے لوگوں نے سمجھا کہ آلاء کے معنی نعمت کے ہیں۔

پھر کائنات سے متعلق مختلف آیتوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تخلیق کائنات ۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات وغیرہ ۔ ہر ایک کا نہ صرف ذکر موجود ہے بلکہ ان میں غور وفکر کی دعوت بھی ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبعیات حیاتیات اور ارضیات و فلکیات وغیرہ کے علوم جن تک رسائی جدید دنیا کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے ان سب کی پود" ہدایتِ الٰہی کی لگائی ہوئی ہے۔

کرشمہ سازیاں ہر دائرہ کے ظاہر و باطن دونوں میں ہیں ۔

قرآن حکیم نے کائناتی نعمتوں کے صرف ظاہر کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کی باطنی حقیقتوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ :

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۲؎

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور ہر قسم کی ظاہری باطنی نعمتیں پوری کی ہیں۔

اسباغ کے اصل معنی وسیع اور کشادہ کرنے کے ہیں۔ یہ وسعت و کشادگی باطنی حقیقتوں کی دریافت اور ان تک رسائی ہی سے پوری ہوتی ہے۔

کرشمہ سازیاں اللہ کی طرف سے نفع رسانی کے لیے ہیں

کائنات میں جس قدر کرشمہ سازیاں ہیں، وہ سب اللہ کی طرف سے ودیعت

۱؎ عبدالحمید فراہی، مفردات القرآن ۲؎ لقمان آیت ۲۰ ۔